جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل عمران

(۹)

(گزشتہ سے پیوستہ)

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ، قَالَ: رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً،
اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي
الْمِحْرَابِ، اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى، مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ، وَ سَيِّدًا

یہی موقع تھا کہ زکریا نے اپنے رب کو پکارا۔ اُس نے دعا کی کہ پروردگار، تو مجھے بھی اپنی جناب سے (ایسی ہی) پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ یقیناً تو (اپنے بندوں کی) دعائیں سننے والا ہے[۷۳]۔ اِس کے جواب میں فرشتوں[۷۴] نے ندا دی، جب کہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا[۷۵] کہ اللہ تجھے یحییٰ[۷۶] کی خوش خبری دیتا ہے جو

[۷۳] سیدہ مریم کو جو حکمت و معرفت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی تھی، اسے دیکھ کر زکریا اس درجہ متاثر ہوئے کہ ان کے اندر بھی یہ آرزو بھڑک اٹھی کہ کاش ایسا ہی کوئی نیک اور صالح فرزند اللہ تعالیٰ انھیں بھی عطا فرمائے۔

[۷۴] یہ لفظ جمع اس لیے آیا ہے کہ کوئی متعین فرشتہ حضرت زکریا کے پاس نہیں آیا، بلکہ ایک غیبی آواز تھی جو انھیں سنائی دی۔ چنانچہ اس سے مقصود محض اس آواز کی نوعیت بیان کرنا ہے کہ وہ ایک ملکوتی آواز تھی۔ یہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ یہ ایک یا ایک سے زیادہ فرشتوں کی آواز تھی۔

[۷۵] اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ فرشتوں سے قرب و اتصال اور اپنے پروردگار سے راز و نیاز اور دعا و مناجات کے

لیے سب سے زیادہ موزوں وقت نماز ہی کا ہے۔

[۷۶] یہ وہی یحییٰ پیغمبر ہیں جن کا نام بائیبل میں یوحنا آیا ہے۔ سیدنا مسیح علیہ السلام سے یہ صرف ۶ ماہ پہلے پیدا ہوئے تھے۔

[۷۷] اصل میں 'مصدقا بکلمة من اللّٰہ' کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی سورہ کی آیت ۴۵ میں آگے قرآن نے صراحت کر دی ہے کہ اس سے مراد سیدنا مسیح علیہ السلام ہیں۔ انھیں 'کلمة من اللّٰہ' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ولادت عام ضابطۂ اسباب کے خلاف براہ راست اللہ تعالیٰ کے کلمہ 'کن' سے ہوئی تھی۔ نصاریٰ نے اسی سے سیدنا مسیح علیہ السلام کی الوہیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، دراں حالیکہ یہ ان کے دعوے کی تردید ہے۔ چنانچہ لفظ 'کلمة' کی تنکیر سے قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار کلمات میں سے حضرت مسیح بھی ایک کلمہ تھے۔ جس طرح اس عالم رنگ و بو کی ان گنت چیزیں محض کلمہ 'کن' سے پیدا ہوئی ہیں، اسی طرح وہ بھی اسی کلمہ سے پیدا ہوئے تھے۔

[۷۸] یہ ان کی شخصیت کا بیان ہے کہ وہ اپنی ذات میں سرداری کی شان رکھنے والے ہوں گے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''نبی اپنی فطرت، اپنی دعوت اور اپنے مشن کے لحاظ سے سردار ہوتا ہے۔ وہ داعی بن کر لوگوں کو پکارتا، منذر بن کر لوگوں کو جگاتا اور ہادی و مرشد بن کر لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کام کے لیے وہ قدرت کی طرف سے تمام لوازم و اسلحہ سے مسلح ہوتا ہے۔ اس کا سینہ خلق کے لیے شفقت و رأفت سے لبریز ہوتا ہے، اس کے کام میں بے پناہ سطوت و جلالت ہوتی ہے، اس کی آواز اور اس کے انداز میں ہیبت ہوتی ہے، اس کی تاب ناک پیشانی اس کی عظمت و صداقت کی گواہی دیتی ہے۔ اگرچہ وہ کمل کی پوشاک پہنتا ہو اور جنگلی شہد اور ٹڈیوں پر گزارہ کرتا ہو، لیکن اس کے رعب و دبدبہ سے بادشاہوں پر لرزہ طاری ہوتا ہے۔ وہ حق کے لیے ان کو بھی اسی طرح سرزنش کرتا ہے، جس طرح دوسروں کو کرتا ہے۔ انجیلوں میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ، دونوں حضرات کے متعلق آتا ہے کہ وہ بااختیار کی طرح بات کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے کلام میں بااختیاری کی یہ شان ان کی اس منصبی سرداری ہی کا ایک جلوہ تھی۔ اس کی تحویل میں قدرت کی طرف سے ایک گلہ بھی ہوتا ہے جس کی چرواہی اس کے سپرد کی جاتی ہے اور اس بات سے اس کی حیثیت عرفی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ گلے نے اس کی اطاعت کی یا نہیں کی۔ اگر اس نے اپنا فرض ادا کیا تو اس نے سرداری کا حق ادا کر دیا اور یہی اس سے مطلوب ہوتا ہے۔''

(تدبر قرآن ۲/ ۸۱)

[۷۹] اس کنارہ کشی کی وجہ یہ تھی کہ یحییٰ و مسیح، دونوں بنی اسرائیل پر عذاب سے پہلے آخری اتمام حجت کے لیے آئے تھے۔ وہ اس بستی میں گھر کیا بناتے جو سیلاب کی زد میں تھی اور اس درخت کی بہار کیا دیکھتے جس کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا تھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ، وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ، قَالَ: کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾
قَالَ: رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَۃً، قَالَ: اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا،
وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا، وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ ﴿۴۱﴾

نبی ہوگا۔[۸۰] اُس نے تعجب سے پوچھا: پروردگار، میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہوگا، میں تو بوڑھا ہو چکا اور میری بیوی بھی بانجھ ہے؟ فرمایا: اللہ اِسی طرح جو چاہے، کرتا ہے۔[۸۱] اُس نے عرض کیا: پروردگار، پھر میرے لیے کوئی نشانی ٹھیرا دیں۔[۸۲] فرمایا: تمھارے لیے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تم لوگوں سے اشارے کے سوا کوئی بات نہ کرسکو گے۔ (ہاں، تسبیح وتہلیل، البتہ کرسکو گے، لہٰذا یہ دن اِسی طرح گزارنا) اور (اِس دوران میں) اپنے پروردگار کو بہت یاد کرنا اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہنا۔[۸۳] ۳۸-۴۱

ایک ایک دروازے پر دستک دے کر لوگوں کو آنے والے طوفان سے خبردار کرنے والے اپنا گھر بسانے اور اپنا کھیت اگانے میں لگ جاتے تو اپنے فرض سے کوتاہی کے مرتکب قرار پاتے۔ چنانچہ دونوں نے تجرد وانقطاع کا طریقہ اختیار کیا، قوت لایموت پر اکتفا کی، درویشوں کا لباس پہنا اور زمین وآسمان ہی کو چھت اور بچھونا بنا کر زندگی بسر کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ یہ نصاریٰ کی بدقسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان جلیل القدر پیغمبروں کی اس منصبی ذمہ داری کو سمجھنے کے بجائے انھوں نے اسے رہبانیت کا رنگ دیا اور پھر اسی کو دین کا اصلی مطالبہ قرار دے کر رہبانیت کا ایک پورا نظام کھڑا کر دیا۔ ہمارے ہاں بھی صوفیوں نے پیغمبروں کی زندگی میں اسی طرح کی بعض چیزوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے اجنبی تصورات دین میں داخل کر دیے ہیں اور اب گزشتہ کئی صدیوں سے علما کو بھی ان سے متاثر کر لینے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

[۸۰] یعنی ان اوصاف وکمالات کے باوجود وہ زمرۂ صالحین میں سے ایک پیغمبر ہی تھے۔ یہ نہیں کہ انھیں الوہیت کا کوئی مقام حاصل ہوگیا تھا۔

[۸۱] یعنی اسباب تو محض ظاہر کا پردہ ہیں۔ اصلی چیز اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے۔ وہ چاہے تو دریا کو سراب بنا دے اور چاہے تو صحرا سے حباب اٹھا دے۔ اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

[۸۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکریا کا گمان تو اگرچہ یہی تھا کہ یہ بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، لیکن دل کے کسی گوشے میں یہ کھٹک ضرور تھی کہ ممکن ہے یہ اپنے ہی گنبد دل کی صدا اور اپنی ہی آرزوؤں کے ہجوم میں شیطان کا کوئی القا ہو جسے وہ فرشتوں کا الہام سمجھ بیٹھے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

[۸۳] یہ چیز، ظاہر ہے کہ شیطانی تصرف کے ہر امکان کو ختم کر دیتی۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

’’... کسی شیطانی اثر سے یہ بات پیدا ہوتی تو اس کا نتیجہ اس کے بالکل برعکس ظاہر ہونا تھا، یعنی آدمی اپنی دنیاداری کی باتیں تو کر سکتا، لیکن اللہ اللہ کرنا اس پر شاق گزرتا۔ اگر حضرت زکریا پر یہ حالت غیر اختیاری طور پر طاری کر دی گئی تو یقیناً یہ اس بات کی ایک قطعی نشانی تھی کہ ان کو بیٹے کی جو بشارت ملی ہے، من جانب اللہ ہے، اس میں شیطانی دھوکے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ قرآن نے یہاں ضمناً اس بات کی تردید بھی کر دی جو انجیل لوقا میں بیان ہوئی ہے کہ حضرت زکریا کو جو یہ حالت پیش آئی، وہ ان کے اس جرم کی سزا کے طور پر تھی کہ انھوں نے فرشتے کی بات کا اعتبار نہ کیا اور سوال کر بیٹھے کہ مجھے اس کی کوئی نشانی دی جائے۔‘‘ (تدبر قرآن ۲/ ۸۳)

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com